بدلہ

ہاجرہ ریحان

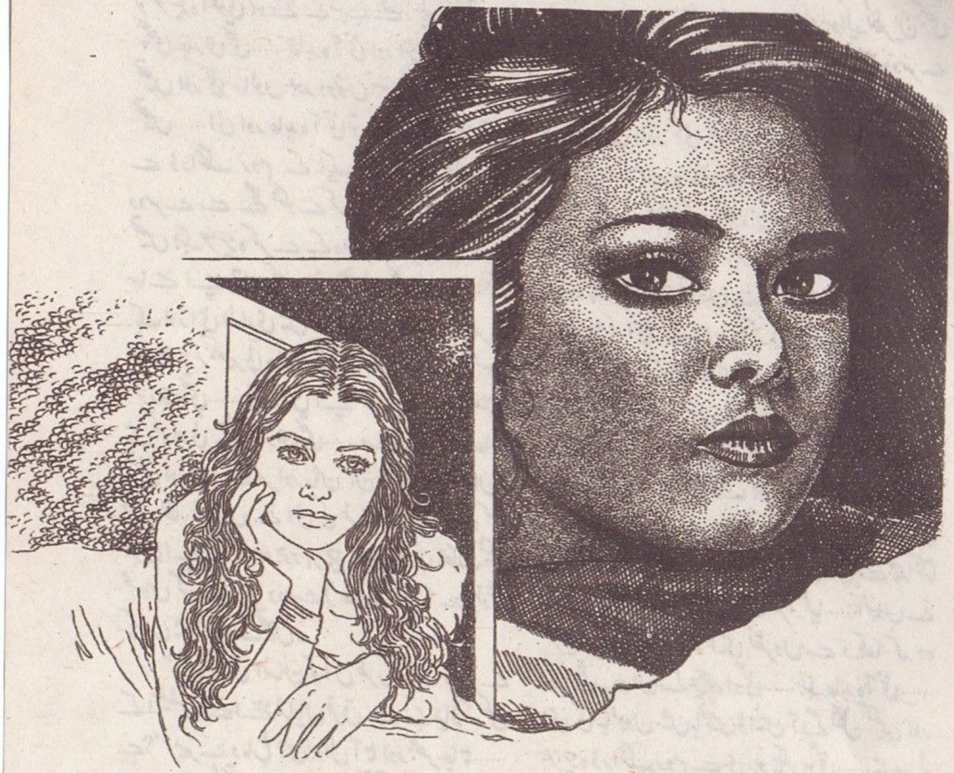

”اور اب اس لمحے...... ہاں اس وقت میں بدلہ لے سکتی ہوں۔“ میرے ذہن میں ایک ہی سوچ ابھری اور اس کے ساتھ کھلتے چلے گئے ماضی کے دروازے...... مجھے سب یاد آنے لگا...... کس طرح اس نے اپنی ماں کے ساتھ مل کر میرے بچپن میں میری خودداری اور انا کو ٹھیس پہنچائی تھی...... میری عمر ہی کیا تھی مگر ان دونوں ماں، بیٹی کو رحم نہ آیا...... مجھے تب سے ہی عزیزہ اور اس کی والدہ عابدہ آنٹی سے شدید

نفرت ہوگئی تھی اور میں دل ہی دل میں ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھی...... اور آج میری قسمت مجھ پر مہربان ہوگئی تھی۔

میں نے جب ان کے گھر میں پہلی بار قدم رکھا تھا تو عزیزہ اکلوتی ہونے کے سبب مجھے دیکھ کر خوشی سے بچھی جارہی تھی...... عابدہ آنٹی اور امی بچپن کی سہیلی تھیں اور کئی سالوں بعد دونوں سہیلیاں اکٹھی ہوئی تھیں...... امی اور عابدہ آنٹی تو ان لوگوں کے بڑے سے ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں بیٹھی ایک دوسرے سے گلے شکوے کرنے میں مصروف ہوگئی تھیں جبکہ عزیزہ کمرے کے دوسرے سرے پر میرے سامنے اپنے تمام کھلونے، پینسل کلرز...... ڈرائنگ بک اور اپنی الماری میں موجود ہر قسم کا سامان میرے سامنے لاکر بکھیرتی جارہی تھی...... اور پھر بھی کمی محسوس کررہی تھی...... جبکہ میں اپنے طور پر احساسِ کمتری میں گم ہوتی چلی جارہی تھی...... صاف ظاہر تھا عابدہ آنٹی اور ہمارے گھر اور رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق تھا...... میں نے امی کی طرف دیکھا کہ وہ کس طرح اپنے اردگرد موجود ہر چیز سے پیسے کی جھلک ٹپکتی محسوس کر کے اپنی دوست (عابدہ آنٹی) سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

''کیا دوستی انسان کو اس طرح ایک دوسرے کے اسٹیٹس کے اتنے نمایاں فرق سے بے نیاز کرسکتی ہے؟'' میرے دماغ میں سوال آتا اور بکھر جاتا...... میں بہت چھوٹی تھی لہٰذا سوال تو کرتی مگر جواب نہ پاکر منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ جاتی...... میں نے تنگ آکر عزیزہ کے اس سامان پر نظر ڈالی جو اس نے میرے سامنے ڈھیر کردیا تھا۔ ان میں ایک سے ایک اعلیٰ معیار کے ربڑ...... شاپنر...... پینسل اور اسی طرح کی مختلف چیزیں شامل تھیں۔ مجھے ایک بڑا سا پیلے رنگ کا ربڑ جو ایک ٹیلی فون کی شکل کا تھا حد سے زیادہ پسند آگیا...... جب عزیزہ نے وہی ربڑ اٹھا کر ڈرائنگ بک میں سے کچھ مٹانا چاہا تو میں نے جھٹ اس کو ٹوک دیا کہ ربڑ خراب ہوجائے گا جس پر عابدہ آنٹی جو اتفاق سے اسی وقت ہمارے قریب سے گزر رہی تھیں عزیزہ سے کہنے لگیں۔

''ارے اسے یہ ربڑ اتنا پسند آرہا ہے تو اسے ہی دے دو ناں......'' میری حیران اور سوالیہ نظریں کبھی امی کی طرف چلی جاتیں جو ڈرائنگ روم کے دوسرے کونے پر تھیں اور انہاک سے کوئی...... میگزین پڑھ رہی تھیں اور کبھی عزیزہ اور عابدہ آنٹی پر ٹھہر جاتیں...... عزیزہ کے ضد کرنے کے باوجود میں نے ربڑ لینے سے انکار کردیا اور ان دونوں کے اصرار پر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی...... مگر جیسے ہی عزیزہ اپنے کمرے سے کچھ لینے دوڑی میں نے وہ ربڑ اپنی مٹھی میں دبالیا اور دوڑ کر امی کے پاس جاکر بیٹھ گئی...... عزیزہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں اور سامان تھا اس نے وہ سامان بھی باقی چیزوں کے ساتھ پہلے تو اچھے طریقے سے سجایا اور پھر مجھے آوازیں دینے لگی...... مگر کیونکہ مجھے پکڑے جانے کا خوف ہوچلا تھا اس وجہ سے امی سے ایک لمحے بھی دور نہ ہوئی...... خدا خدا کر کے امی رخصت لینے اٹھیں تو میری ننھی سی مٹھی میں سے جھانکتا ہوا پیلا ربڑ عابدہ آنٹی کو صاف نظر آگیا...... انہوں نے عزیزہ کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ خاموشی سے ان کے پیچھے ہوگئی...... جبکہ عابدہ آنٹی...... امی کی بانہوں میں بانہیں ڈالیں آگے نکل گئیں اور عزیزہ ڈرائنگ روم سے ہی رفو چکر ہوگئی...... میں نے اس وقت تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی مگر رکشے میں واپسی کے سفر کے دوران ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ دونوں ماں، بیٹی نے مجھے صاف طور سے ربڑ لے جانے میں مدد کی تھی یہاں تک کہ امی سے بھی بچایا...... ساتھ کے ساتھ یہ بات بھی صاف ظاہر ہوگئی کہ میں چور ہوں...... میری مٹھی گیلی ہونے لگی...... یہ سوچ کر ہی کہ اب تو دونوں آپس میں مجھے چور کہتی ہوں گی اور یہ میری امی کی بھی کتنی بے بڑی بے عزتی ہوئی ہے۔

مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی......
ساتھ،ساتھ شدید قسم کی نفرت اور غصہ بھی دل میں محسوس کر رہی تھی کہ ایسا ان دونوں نے جان بوجھ کر کیا کہ میں چور مشہور ہوسکوں...... اگر وہ دونوں اچھی بننے کے بجائے مجھے ربڑ لے جانے سے ٹوک دیتیں تو مجھے تھوڑے دن وہ ربڑ یاد آتا مگر کم از کم زندگی بھر کے لیے میں خود کو مجرم تو نہ سمجھتی۔

کیسی عجیب بات ہے کہ انسان جس سے دور بھاگے وہی کبھی، کبھی زندگی میں بار، بار داخل ہو کر اسے احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنی پسند نا پسند رکھنے کے باوجود محض ایک انسان ہے اور کون ہماری زندگی میں کب آئے چلا جائے...... یہ فیصلے کہیں اور کوئی اور کرتا ہے...... میں اس ایک واقعے کے بعد جتنا بھی عزیزہ سے نفرت محسوس کرتی وہ اتنا ہی میرے قریب آنے کی کوشش کرتی...... عابدہ آنٹی بھی اس کو میرے قریب رکھنا چاہتی تھیں اور یوں ہم دونوں نے ایک ہی اسکول اور کالج سے پڑھائی مکمل کی تھی...... میری نفرت اندر ہی اندر سلگتی رہتی تھی۔ اس کے ساتھ میں اٹھنے بیٹھنے یہاں تک کہ وین میں ساتھ سفر کرنے سے کتراتی تھی۔ مگر وہ ایسا کوئی موقع جانے نہ دیتی...... یوں ہم نے ایک ہی سبجیکٹ میں گریجویشن کی اور اتفاق سے ایک ہی کمپنی میں ہمیں ٹریننگ کے لیے رکھا گیا۔

چھ مہینے کی ٹریننگ کے بعد ہماری کمپنی نے تمام ہی نئے آنے والوں کو بنکاک اپنے آفس میں سرٹیفکیٹس کی حصولی کی تقریب میں بھیجا۔ جس میں مجھے اور عزیزہ کو باقاعدہ کمپنی کی طرف سے جاب کی آفر بھی ملنا تھی لہٰذا میں دل ہی دل میں بہت خوش تھی۔

ہم سب پاکستانیوں نے مل کر کمپنی کو درخواست دی کہ ہمیں بنکاک کی نئے سال کی رات باہر گزارنے کی اجازت دی جائے جس کے بدلے ہم نے ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور اچھے بچوں کی طرح ایک ساتھ ہوٹل میں واپس آجانے کا حلف نامہ بھی بھر کر دے دیا تھا۔

بنکاک...... رات کا شہر ہے...... یہ رات کو جاگتا ہے، ہمیں اس بات کا احساس پہلی ہی رات کو ہوگیا تھا...... ہم نے نئے سال کی پہلی رات کے اجتماع میں جو آتش بازی کا اہتمام تھا اس کی بڑی دھوم سنی تھی اور وہی دیکھنے ہم اس میدان میں شام سے ہی آچکے تھے...... لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا جا رہا تھا، لوگ دھکا نہیں دے رہے تھے مگر آگے جانے کی جگہ بھی نہیں مل رہی تھی...... راستہ بنانا مشکل ہو رہا تھا...... ہم سب ڈرے ہوئے بھی تھے...... اور جوش بھی خوب تھا۔

ہماری پوری ٹیم ایک لائن میں آگے بڑھ رہی تھی...... مزے کی بات یہ تھی کہ اتنے رنگ اور نسل کے لوگوں میں، ہم سب بھی گم سے ہوگئے تھے اور دور سے تو پہچان میں بھی مسئلہ ہوتا ہے۔ ہمیں کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے ہم سکون سے بیٹھ کر نئے سال کی خوشی میں ہونے والی آتش بازی دیکھ سکیں...... سب سے آگے عثمان تھا کیونکہ وہ ہم سب میں زیادہ لمبا اور طاقتور تھا...... اس کے بعد سلمان کومل، سعدیہ، سعد، میں اور آخر میں کمزور سی عزیزہ تھی...... عثمان نے رش میں گھسنے سے پہلے ہدایت دیں تھیں کہ اپنے پیچھے والے کا خیال رکھنا ہے ورنہ ہم بکھر گئے تو اس رش میں ملنا ناممکن ہے...... بس اتنا خیال رکھا جائے کہ میرے پیچھے جو تھا وہ موجود رہے...... اس رش میں پھنس جانے کا مطلب کچھ اور بھی ہوسکتا ہے...... وہ ہمیں ڈرا دھمکا بھی چکا تھا...... میرے آگے سعد بار، بار مجھے پیچھے مڑ کر دیکھ چکا تھا جبکہ میں عزیزہ کو نظروں میں رکھ کر چل رہی تھی...... اس کو ہم نے بیچ میں رکھا تھا مگر وہ اپنی کمزور شخصیت اور ہلکی چال کے باعث سب سے پیچھے ہوگئی تھی۔

شور اتنا تھا کہ آواز دینے یا پکارنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا...... ہر دو قدم پر بڑے، بڑے اسپیکر لگے ہوئے تھے جن میں وہاں موجود مختلف ملکوں کے باشندوں کو خوش کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً ان کے ہاں

کے مشہور گانے زور شور سے لگائے جا رہے تھے...... ایسے ہی ہماری سماعتوں نے جنید جمشید کا گانا...... یہ شام پھر نہیں آئے گی...... ڈسکو جھنکار کے ساتھ تو ہم بھی جھومنے لگے۔

اچانک عثمان کی رفتار تیز ہوگئی...... شاید اس کو کوئی خالی جگہ نظر آ گئی تھی اور وہ اسے گھیر لینا چاہتا ہوگا...... کسی کو موقع نہ ملا کہ اپنے پیچھے آنے والے کو خبردار کرتا...... مگر سعد جب بھاگا تو اس نے پیچھے مڑ کر دونوں ہاتھوں سے مجھے اپنے پیچھے تیزی سے آنے کا اشارہ کر دیا...... میں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا اور اسی وقت، مجھے محسوس ہوا کہ عزیزہ میرے پیچھے نہیں ہے......

میں نے بھاگتے، بھاگتے مڑ کر دیکھا تو واقعی مجھے عزیزہ کہیں نظر نہیں آئی...... بس اس کے کالے دوپٹے کی جھلک سی محسوس ہوئی اور اسی وقت میری نفرت امنڈ کر مجھ پر غالب آ گئی...... میں نے دل میں سوچا۔

''اچھا ہوا اگر گم ہو جائے اس رش میں......... بے ہودہ...... اس کو پتا چلے جب پوری رات اس کو یہاں اکیلے گزارنی پڑے جب اسے رش سے نکلنے کا راستہ نہ ملے گا جب یہ ہم سب کو پوری رات پاگلوں کی طرح کھوجتی رہے گی تو دماغ ٹھکانے لگے گا...... مجھے چور بنایا تھا، میں تم کو بھی کسی قابل نہیں رہنے دوں گی...... دونوں ماں، بیٹی کو خوب سبق ملے گا...... میں تو پاکستان واپس جا کر سب کو ہی بتا دوں گی کہ ہم نے پوری رات کے لیے عزیزہ کو کھو دیا تھا...... ہم سب تو چند گھنٹے گزار کر واپس ہوٹل چلے گئے تھے مگر اس شباب کباب کی رات بھر کی محفل میں عزیزہ نے جانے کیا، کیا...... کون کیا کہہ سکتا ہے پھر کیا پتا عزیزہ جان بوجھ کر ہم سے الگ ہوئی ہو۔''

میں نے ان چند لمحوں میں بہت سی باتیں جو میں عابدہ آنٹی کو آج رات ہی فون پر اور کل آفس میں عزیزہ کے سب سے الگ تھلگ ہو کر ہوٹل واپس آنے پر کہوں گی...... ایک، ایک تفصیل سے سوچ لیں اور آخری بار پیچھے مڑ کر دیکھا...... جو ذرا سے دوپٹے کی جھلک تھی وہ بھی غائب ہو چکی تھی...... عزیزہ واقعی اجنبی شہر کے بے ہنگم رش میں گم ہو گئی تھی...... میرا دل دھک سے رہ گیا۔

میں جو اب تک دوڑ لگا رہی تھی اپنی بے ربط سانس کے ساتھ ایک ہی جگہ تھم گئی...... یہ تھکن نہیں تھی...... عزیزہ کے یوں اچانک غائب ہو جانے کا خوف تھا کہ میں چند لمحوں کے لیے خود کو ہوا میں تحلیل محسوس کرنے لگی...... یہ میں نے کیا کر دیا...... ہجوم اسی جوش سے میرے اردگرد...... آگے پیچھے سے گزر رہا تھا...... ساری سوچ...... ساری نفرت...... سب بھول کر میں نے عزیزہ کی جانب دوڑ لگا دی۔

''یہ نہیں ہو سکتا...... ہم ساتھ آئے ہیں ساتھ ہی جائیں گے...... اکیلے گزارنی پڑے تو بھی کم از کم ہم دونوں ساتھ تو ہوں گے۔''

تھوڑی ہی دور جا کر مجھے وہ کمزور سی پتلی دبلی سی عزیزہ نظر آ گئی...... میرا نشان کھونے کے باعث وہ بھی اپنی جگہ جمی کھڑی تھی اور ڈر سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر خود کو شتر مرغ کی طرح محفوظ سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

میں نے اسے جا کر جھنجوڑا تو اس نے آنکھوں پر سے دھیرے دھیرے ہاتھ ہٹائے اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ بہنے لگے...... میں نے بڑے بُردبار انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں بھی بڑی بہن کی طرح اسے چپ کرانے اور دلاسا دینے میں لگ گئی کہ کسی نے میرے کندھے کو تھپکا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو عثمان کھڑا تھا وہ سب کو جگہ پر بٹھا کر ہمیں ڈھونڈتا ہوا آیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے جھنجلاہٹ نمایاں تھی...... اس نے غصے سے پوچھا۔

''یہ جو بھرے بازار میں تم دونوں فلم بیچ رہی ہو اس کا نام کیا رکھا ہے؟''

''حیوان بنا انسان۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔